سردار محمد امین خان کھوسو

از: مولانا ماہر القادری صاحب

ماہنامہ فاران کراچی فروری 1974ع

سردار محمد امین خان کھوسو

۱۹۳۴ء میں جب راقم الحروف عراق بحری جہاز سے گیا تھا، تو بمبئی سے بصرے جاتے ہوئے کراچی میں اترا اور اس شہر کی سیر کی، پھر تین بار مشاعروں کے سلسلہ میں کراچی آتا ہوا، یہ زمانہ تحریکِ پاکستان کے شباب، کا تھا سندھ کے مسلمانوں میں اسلام اور اردو سے بڑی محبت اور عقیدت پائی جاتی تھی، دینی اخوت اور بھائی چارے کا دور تھا، زبان اور علاقہ کے نام پر کسی قسم کے تعصب کی ذراسی پرچھائیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی! اس زمانے میں موہنجوداڑو کے آثارِ قدیمہ اور قدیم سندھی تہذیب پر کوئی فخر نہیں کرتا تھا، سب لوگ اسلامی تمدن و تہذیب کے دلدادہ تھے اور کراچی سے لے کر چاٹگام تک ہندوستانی مسلمانوں میں وحدتِ فکر پائی جاتی تھی:

۱۹۴۶ء کے آل انڈیا مشاعرے میں دلی سے میرا آنا ہوا تو پیر حسام الدین راشدی اور سردار محمد امین خان کھوسو نے سب سے زیادہ پذیرائی کی! رائل ہوٹل میں دونوں بزرگوں نے دعوتیں دیں، روزانہ کئی کئی گھنٹے ساتھ رہنا ہوتا، پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہوگیا تھا، اس لیے ٹرین کی بجائے ہوائی جہاز کے ذریعۂ سفر کرنا پڑا، یہ میرا سب سے پہلا فضائی سفر تھا، اس سفر کی خوشی بھی تھی اور ساتھ ہی خوف بھی دامن گیر تھا، پیر راشدی اور سردار کھوسو نے ایر پورٹ تک مشایعت کی، ہم تینوں ایک ہی ٹیکسی میں ہوائی اڈے پہنچے،

ان دونوں کرم فرماؤں نے بڑے اخلاص و محبت کے ساتھ گلے مل مل کر مجھے رخصت کیا!
پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ پاکستان بن کر اور ہندوستان بٹ کر رہا، اور نومبر ۱۹۴۷ء میں
راقم الحروف بھی کراچی آگیا۔ یہاں پہنچ کر سردار محمد امین خان سے خط و کتابت رہی انھوں
نے اپنی محبت سے مجھے لکھا کہ کراچی میں حالات سازگار نہ ہوں تو آپ میرے ساتھ گاؤں میں
آکر قیام کر سکتے ہیں! اس کے بعد اکیس بائیس برس کا زمانہ "فترت" کا زمانہ ہے نہ ان سے
ملاقات ہوئی اور نہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔

فترت و فرقت کے اس طویل زمانے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے حالات سے
بے خبر رہے، مہینہ تو یاد نہیں رہا ۱۹۷۲ء کے آغاز میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ریسیور
اٹھایا تو پہچانی ہوئی آواز کانوں میں آئی کہ ـــــ میں محمد امین خان کھوسو بول رہا ہوں، نیشنل سٹی ہوٹل
میں میرا قیام ہے، آپ سے ملنے کے لیے بے تاب ہوں، میں نے جواب میں عرض
کیا کہ میری بے تابی آپ سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ فرمایا میرے ساتھ کھانا کھاؤ یا چائے
پیو، بہت سی باتیں بھی کرنی ہیں! ان کے دیے ہوئے وقت پر میں ہوٹل پہنچا، مجھے دیکھتے
ہی فرطِ محبت سے لپٹ گئے، گفتگو میں چھبیس سال پہلے کی ملاقاتوں کا ذکر آیا۔ وہ بڑے
سیر چشم اور مہمان نواز تھے، چائے کے ساتھ انواع و اقسام کے لوازمات، اس پر اصرار کہ
یہ چیز کھاؤ، وہ پھل چکھو! میں نے کراچی سے دہلی پہنچنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں جو خط انھیں
لکھا تھا، وہ ان کے پاس محفوظ تھا، اپنے اٹیچی کیس سے نکال کر مجھے دکھایا! اس کے بعد
سردار محمد امین خان مرحوم سے اسی ہوٹل میں کئی بار ملاقاتیں رہیں اور پاکستان کی سیاست
پر تبصرہ اور تبادلہ خیال ہوا، اردو زبان کے وہ فدائی اور شیدائی تھے اور فرماتے تھے کہ اردو
سے پاکستان کی وحدت و سالمیت وابستہ ہے، سندھی زبان اور سندھی تہذیب کی تحریک
جس انداز پر اٹھائی گئی ہے اس کو وہ پسند نہیں کرتے تھے، علی گڑھ میں رہنے کا یہ اثر تھا کہ
یو۔ پی کے مسلمانوں کی ذہانت کے بڑے مداح تھے اور کہتے تھے کہ یہی ذہانت قیادت
کا فرض حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتی ہے۔
اسی سال رمضان سے قبل صدر کے ایک نو تعمیر ہوٹل میں سردار امین خان مرحوم نے

قیام کیا اور مجھے یاد فرمایا، مولانا ظفر احمد انصاری اور راقم الحروف دوپہر کے وقت ہوٹل پہنچے، کھانے کے بعد بلوچستان کے حالات پر گفتگو رہی، اُن کی بات چیت اور اندازِ کلام سے مترشح ہوتا تھا کہ حکومت کے تعاون وایما سے بلوچستان کے حالات کو سنبھالنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس بات کا خود ہی اعتراف کیا کہ میں ذوالفقار علی صاحب بھٹو کا مخالف نہیں، موافق ومؤید ہوں"، پاکستان کے خلفشار اور سیاسی اختلافات اور اُن کی ہلچل سے وہ دل گرفتہ تھے!

"فاران" کے چند شمارے پڑھ کر وہ اس کے دوامی خریدار بنے، میں نے اپنی کتاب "کاروانِ حجاز" اُن کے وطن بھیجی تو تفصیل سے مجھے خط لکھا جس میں صوفیانہ انداز میں میری تحریر پر ہلکی سی تنقید کی اور کتاب کی تعریف بھی فرمائی! مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت اُن کی گفتگو کا خاص موضوع تھی۔......

یہ اُن سے آخری ملاقات تھی ـــــ اس کے کوئی ایک مہینہ بعد اخبارات میں یہ الم انگیز خبر پڑھی کہ سردار محمد امین خان کھوسو کا انتقال ہوگیا! عمر ستر سے کیا کم ہوگی مگر صحت اچھی تھی اور قوا مضبوط تھے! لیکن بچہ ہو، بوڑھا ہو، جوان ہو مریض ہو یا صحت مند ہو۔ جس کے لیے جو وقت لکھ دیا گیا ہے وہ ٹل نہیں سکتا:

سردار محمد امین خاں کھوسو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے گریجوایٹ اور ایل ایل بی تھے۔ تقریر و خطبات، ذہانت اور محبت و رواداری نے یونیورسٹی میں انھیں ہر دلعزیز بنا دیا، طلبہ کی انجمن کے صدر منتخب ہوئے! اب سے تقریباً پینتیس ۳۵ برس قبل مرحوم سندھ اسمبلی کے رکن تھے اور اُن کا شمار سندھ کے مشہور لیڈروں میں ہوتا تھا، بہ حیثیت زمیندار، قومی کارکن، صوفی، انقلابی مفکر حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے فدائی عقیدتمند اور اُن کے فلسفے کے مبلّغ تھے۔ آخر عمر میں تو صورت اور وضع قطع میں مولانا عبیداللہ سندھی کا سراپا اور شبیہہ بن کر رہ گئے تھے۔

؎ تجھی کو سب پکار اٹھیں نکل جاؤں جدھر ہو کر

(فاران کراچی، فروری ۱۹۷۴ء)